R. N. 7090/57 Regd. No. A. 922

انجمن ترقی اردو ہند کا ہفتہ وار اخبار

ہماری زبان

Telephone No. 59
Telegrams "ANJUMAN"

جلد ۲۱ - شمارہ ۲۷ | ایڈیٹر - آل احمد سرور | علی گڑھ - ۱۵ جولائی ۱۹۶۲ء

ڈاکٹر سیدہ جعفر

صفی اورنگ آبادی

داغ نے زبان کی طرح داری اور بانکپن کے لئے حسن بیان کے جو خد و خال اُبھارے تھے اور اظہار خیال کے جن سانچوں کو سنوارا تھا اُن کو اپنانے اور اُن سے متاثر ہونے والوں میں صفی اورنگ آبادی بھی شامل ہیں۔ صفی نے کیفی حیدرآبادی سے کسب فن کیا تھا جو داغ کے رنگ سخن میں ڈوب کر شعر کہتے تھے اور زبان کو مانجھنے اور اسلوب کو نکھارنے کی ادائیں انھوں نے داغ ہی سے سیکھی تھیں۔ حیدرآباد میں داغ کے بعد اُردو غزل کے جو اوراق پارینہ بکھر رہے تھے اور جو روایتیں دم توڑ رہی تھیں صفی نے انھیں اپنے گلے سے لگالیا اور "غزل کی بہار" کے لئے "رنگینیٔ خیال" میں خون دل کی گلابی بھردی ہے

رنگینیٔ خیال میں ہے خون دل صفی
میری خزاں ہے اور غزل کی بہار ہے

صفی کی شاعری اس ماحول میں اُبھری تھی جہاں غزل کی فضا پر داغ کی سرمستی اور البیلا پن چھایا ہوا تھا۔ اس فضا سے صفی کے تغزل کا متاثر ہونا کوئی تعجب خیز بات نہ تھی۔ اس کی ایک وجہ یہ بھی تھی (جیسا کہ بیان کیا جا چکا ہے) کہ ان کے استاد کیفی داغ کے شاگرد تھے اور ان کا یہ ایمان تھا کہ ہے

بس وہی باضابطہ استاد تھا ہے فن صفی
سیکھتا ہے جو کسی فن کو کسی استاد سے

اس طرح داغ کا رنگ کیفی سے ہوتا ہوا صفی کے رنگ میں سرایت کر گیا ہے۔ صفی کی بعض غزلوں میں جو بے سرشاری اور شگفتگی، محبوب سے چھیڑ چھاڑ، اُس سے برابر کی سطح پر ملنا، کہیں محبوب سے اُلجھنا اور اس سے اپنی محبت کی قدر کروانے کا جو جذبہ کا ذکر یا نظر آتا ہے وہ بھی داغ کے دبستان سے اثر پذیری کی غمازی کرتا ہے۔ زبان کی بے تکلفی اور بیکھے پن کے ساتھ ساتھ شوخی اور الھڑپن کا انداز انھیں داغ سے قریب لے جاتا ہے۔ چند شعر ملاحظہ ہوں ہے

پیرہن کی بھی جھلک پڑتی ہے رخساروں پہ
واہ وا خوب لٹایا ہیں انگاروں پہ

ہائے ماتھے پہ شکن، آنکھ میں رس، لب پہ ہنسی
آپ جو چاہیں سزا دیں مجھے پھر پیار آیا

قیامت آئی یا اُس فتنۂ قامت پہ شباب آیا
جفا آئی، غرور آیا، ادا آئی، حجاب آیا

اور پچھتاؤ گے لے لے گا جو کوئی تصویر
فکر اچھی نہیں انگشت بدنداں ہو کر

سر محشر ہمارا کون تھا اُن کے مقابل میں
اُدھر سے ٹکڑیوں کی ٹکڑیاں تھیں گواہوں کی

صفی کے یہاں اس رنگ کی غزلیں کیف اور رس میں ڈوبی ہوئی ملتی ہیں ایسے اشعار میں ایک طرح کی پُر لطف شادابی اور ایک حسین چہل نظر آتی ہے مگر چنچل پن اور شوخی کی یہ لہر پستی اور بے باکی کی سطح تک شاید ہی کبھی

اُبھرتی ہو اور اس میں صفیؔ کے تغزل کے حُسن، سچائی اور شائستگی کا راز مضمر ہے۔

صفیؔ کو جو ادبی ماحول ملا تھا اس میں شاعری بدل چکی تھی اور ابھی بدل رہی تھی۔ غزل سے نئے مطالبات اور نئی توقعات وابستہ ہو چکی تھیں۔ خارجی موضوعات، معاشرتی رجحانات اور روحِ عصر کے مسائل کو غزل میں سمو لینے کا رجحان ترقی کرتا جا رہا تھا مگر وہ "وفاداری بشرطِ استواری" کا پابند "دلبروں کی بات" کہتا رہا۔ صفیؔ کو غزل کی روایت عظمیٰ سے اتنا پیار تھا اور یہ روایتیں اُن میں اتنی جذب ہو چکی تھیں کہ اُن سے ہٹ کر سوچنا اور کہنا اُن کے بس کی بات نہ تھی۔ یہی وجہ ہے کہ جب صفیؔ کے ہمعصر شعراء کے ہاتھ وقت کی نبض پر تھے، صفیؔ اپنے دل کی دھڑکنوں میں کھوئے ہوئے تھے۔ انھوں نے اپنی ذات کے اطراف انفرادیت کا ایک نقرئی حصار بنا رکھا تھا اور یہی ان کے فن کی کائنات تھی۔ جب وہ ہنستے تو یہاں غنچے چٹکتے، اور وہ روتے تو ابر اور شبنم بھی رونے لگتی لیکن یہ دنیا اپنی ساری رعنائیوں اور طلسماتی کیفیات کے باوجود محدود اور تنگ تھی۔

صفیؔ کی شاعری میں کہیں کہیں مقصدی رنگ بھی جھلک گیا ہے اور ان کے بعض اشعار میں حکیمانہ قدروں اور اخلاقی عناصر کی کارفرمائی بھی نظر آتی ہے جس شخص نے زمانے کے نشیب و فراز دیکھے ہوں، جو بہار اور خزاں دونوں سے گذر چکا ہو اور جس نے زندگی کو پرکھ لیا ہو وہی شاعر اس طرح کے شعر کہہ سکتا ہے۔ ؎

مصیبت نام ہے اہلِ وفا کی آزمائش کا
اسی میں آدمی کا حوصلہ معلوم ہوتا ہے

آبرو کھو کر کوئی کیوں اہلِ دولت سے ملے
پاؤں ٹکڑا لا کہ نعمت ہے جو عزت سے ملے

ملنساری بھی سیکھو جب نگاہِ ناز پائی ہے
بُری جاں آدمی اخلاق سے تلوار جوہر سے

داغؔ نے اپنی غزلوں میں روزمرہ اور محاورے کو اتنی اہمیت دی تھی اور محاورہ بندی کے ایسے دل کش پیکروں کی تخلیق کی تھی کہ ان کے بعد بھی ایک عرصے تک غزل گو شعراء ان صوری خوبیوں کو غزل گوئی کے ایک جزو کے طور پر اپناتے اور برتتے رہے۔ روزمرہ کی پابندی اور محاورہ بندی کا التزام صفیؔ نے اپنے استاد کیفیؔ سے بھی سیکھا تھا جو دبستانِ داغؔ کے خوشہ چیں تھے۔ سادہ اسلوب میں ایسا شعر کہنا جس میں زبان کا چٹخارہ اور روزمرہ کی چاشنی موجود ہو داغؔ اور ان کے تلامذہ کی ایک امتیازی خصوصیت بن گئی تھی۔ اس سے ادب کو ایک فائدہ یہ پہنچا کہ غزل کی زبان بڑی شستہ، سلیس اور بامحاورہ بن گئی اور غنائی شاعری کا اسلوب ثقیل مرکبات، ادق لغات اور دور از کار تشبیہات سے اور پاک ہو گیا۔ ان شعراء نے ادب کی ایک اور خدمت یہ انجام دی کہ اُردو کے مقبولِ عام اور کثیر الاستعمال محاورات کو اپنی غزلوں میں ہمیشہ کے لئے محفوظ کر دیا۔

یوں تو محاورے کو بہت سے شعراء نے برتا ہے، لیکن جس نفاست، خوبی اور سلیقے سے صفیؔ نے انھیں استعمال کیا ہے اس کی داد دینی پڑتی ہے۔ وہ محاورے کو اس طرح استعمال کرتے ہیں گویا محاورہ خود بخود شعر میں ڈھل گیا ہو۔ ایک اور خصوصیت صفیؔ کی محاورہ بندی کی یہ ہے کہ اس سے ان کے شعر میں معنویت کا بھی اضافہ ہو جاتا ہے ؎

ان کو دیکھو وہ نظر آیا کئے ہر ایک میں
مجھ کو دیکھو دیدہ و دانستہ اندھا ہو گیا

اب دوست سے غرض ہے نہ دشمن سے کام ہے
دونوں کو دونوں ہاتھ سے اپنا سلام ہے

وہ آتے ہیں تو اب کچھ حضرتِ دل رنگ لائے ہیں
عجب آفت میں ہوں دشمن بغل میں دوست پہلو میں

تیری مژگاں کے تصور نے جگایا رات بھر
ہم تو سنتے تھے کہ کانٹوں پر بھی آجاتی ہے نیند

صفیؔ نے جہاں اپنی غزلوں میں زبان کی نوک پلک درست کرنے اور مانجھنے کا خیال رکھا ہے، وہیں بعض اشعار محض محاورہ بندی اور لفظ پرستی یا روزمرہ کی خاطر کہے ہیں۔ ایسے اشعار میں صداقت کا خلوص اور جذبات کی گرمی ہو بھی تو اس پر آورد اور تکلف کا رنگ چھا جاتا ہے۔ صفیؔ کے یہاں ان کی لفظ پرستی، محاورہ بندی اور صنعت گری کا شوق کہیں کہیں شعر کو سپاٹ، بے کیف اور مصنوعی بنا دیتا ہے ؎

دل میں گھٹتے ہوئے قاتل نے مجھے قتل کیا
یہ عجب کاٹ نکالی ہے کہ کٹ کر کاٹے

مجھے مٹی کا پُتلا کس لئے کہنے لگی دُنیا
کھلونا کیا کسی مکدر کے لئے یہ خاک چھانی ہے

(باقی صفحہ ۸ پر)

ہماری زبان

۱۵؍جولائی ۱۹۶۲ء

سہ لسانی فارمولا اور قومی وحدت

تازہ ترین خبر یہ ہے کہ اُتر پردیش میں امسال سہ لسانی فارمولے پر عمل نہیں ہو سکے گا۔ شری سی، بی گپتا بڑے وزیر نے اعلان کیا ہے کہ ان کی حکومت اگلے سال اسے نافذ کرے گی۔ گپتا جی نے یہ بھی کہا ہے کہ تین زبانوں میں اردو کو شامل کرنے سے قومی وحدت کا مقصد فوت ہو جائے گا غالباً یہ مولانا حفظ الرحمن کے اُس خط کا جواب ہے جو انھوں نے امریکہ کے ایک ہسپتال سے گپتا جی کو لکھا تھا اور جس میں اُن سے درخواست کی تھی کہ جنوبی ہند کی زبانوں کی تعلیم کے نام پر اُردو کے حقوق کو پامال نہ کیا جائے۔

ہمیں حیرت ہے کہ گپتا جی نے یہ کیسے فرض کر لیا کہ اُردو کی تعلیم کا انتظام کرنے سے قومی وحدت کا مقصد پورا نہ ہوگا اور جنوبی ہند کی کوئی زبان شامل کرنے سے ضرور پورا ہو جائے گا۔ سنہ ۱۹۶۰ء میں انجمن کی کل ہند کانفرنس میں تقریر کرتے ہوئے گپتا جی نے کہا تھا کہ انھیں اس کا احساس ہے کہ اُردو کے حقوق کا پورا لحاظ نہیں کیا جا رہا ہے اور وہ اس سلسلے میں مناسب کارروائی کریں گے اس کے بعد ہی انھوں نے ودھان سبھا میں ایک کمیٹی اس غرض سے بنانے کا اعلان کیا کہ اُردو کی تعلیم اور چلن کے لئے مناسب سہولتیں دی جائیں۔ گذشتہ سال جب انجمن کا ایک وفد اُن سے ملا تو انھوں نے اُردو کی اہمیت کو تسلیم کیا اور یہ وعدہ کیا کہ وہ اُردو بولنے والوں کے جائز مطالبات کو ضرور تسلیم کریں گے۔ اب جبکہ ان وعدوں کے وفا کرنے کا وقت آیا، وہ یہ کہتے ہیں کہ قومی وحدت کی خاطر اُردو کی تعلیم کو وہ سہ لسانی فارمولے میں شامل نہیں کر سکتے، ہاں اُردو بولنے والوں کے لئے علیحدہ سے اس کی تعلیم کا انتظام ہو سکتا ہے۔

اس سلسلے میں ہمارا فرض ہے کہ ہم ریاستوں کی نئی تنظیم کے کمیشن، ثانوی تعلیم کمیشن، حکومت ہند کی وزارت داخلہ کے اعلان، بڑے وزیروں کی کانفرنس اور قومی وحدت کونسل کے بیانات کا حوالہ دیں۔ جب لسانی اقلیتوں کے مسئلے پر غور کیا گیا تو یہ بات واضح ہو گئی کہ مادری زبان کو سب پر فضیلت حاصل ہے اور مادری زبان وہ ہے جو بچّہ یا اُس کے سرپرست بتائیں۔ مادری زبان میں تعلیم کے اصول کو دستور کی دفعہ ۳۵۰ الف میں بھی مان لیا گیا اور ریاستوں کو ہدایت کی گئی کہ وہ اس کا مناسب انتظام کریں۔ ثانوی تعلیم کی منزل پر مادری زبان کو ذریعۂ تعلیم بنانے کا اصول بھی تسلیم کر لیا گیا۔ جب ثانوی تعلیم کمیشن نے سہ لسانی فارمولے کی تجویز پیش کی تو اس میں مادری زبان کو سب سے نمایاں حیثیت دی گئی۔ بڑے وزیروں کی کانفرنس نے بھی اس اصول کو تسلیم کیا اور قومی وحدت کے لئے اسے ضروری قرار دیا۔ ظاہر ہے کہ قومی وحدت کے لئے ایک علاقے والوں کو دوسرے علاقوں کی زبانوں سے بھی کسی حد تک آشنا ہونا چاہیئے، مگر اس کے معنی یہ کیسے ہوئے کہ اپنے ہی علاقے کی زبانوں کے حقوق کو دوسرے علاقوں سے ربط پیدا کرنے کی مناسب مگر پھر بھی ثانوی اہمیت رکھنے والی ضرورت پر قربان کر دیا جائے۔ انگریزی کی ایک مثل ہے کہ "سخاوت گھر سے شروع ہوتی ہے" گھر کی زبانوں سے بے پروائی برتنے والے کبھی دوسرے علاقے کی زبانوں سے محبت نہیں پیدا کر سکتے۔ کہیں ایسا تو نہیں کہ جنوبی ہند میں سرکاری زبان کے مسئلے پہ جو بے چینی ہے اُس کو دور کرنے کے لئے شمالی ہند میں جنوبی ہند کی زبانوں کی تعلیم کا یہ خاکہ تیار ہو رہا ہے۔ خاکے پر عمل ہو یا نہ ہو، لیکن کہنے کو تو یہ ہو جائے گا کہ جب شمالی ہند والے جنوبی ہند کی زبانوں کو لازمی طور پہ پڑھ رہے ہیں تو انھیں ہندی لازمی طور پر سیکھنی چاہیئے ہم بھی چاہتے ہیں کہ جنوبی ہند کی زبانوں کی تعلیم کا مناسب انتظام ہو، مگر اس کی صورت صرف یہ ہے کہ اُتر پردیش میں ہندی اور انگریزی کے علاوہ اردو یا جنوبی ہند کی کسی زبان کی تعلیم دی جائے۔ چونکہ جنوبی ہند کی زبانوں کی تعلیم کا علیحدہ بھی انتظام کیا جا رہا ہے اس لئے جو لوگ ہندی، انگریزی اور اُردو اسکول کے اوقات میں پڑھیں گے وہ شام کو جنوبی ہند کی کوئی زبان سیکھنا چاہیں تو سیکھ سکیں گے، لیکن انھیں اس پر کیوں مجبور کیا جائے کہ وہ اُردو تو نہ سیکھیں مگر جنوبی ہند کی کوئی زبان ضرور سیکھیں۔

انجمن ترقی اُردو ہند کی مجلس عام کا جلسہ ۱۵ جولائی کو ہو رہا ہے، جس میں علاوہ دوسرے امور کے اُردو تحریک کے سلسلے میں آئندہ اقدامات پر بھی غور ہوگا۔ ہمیں یقین ہے کہ انجمن اس سلسلے میں جلد کوئی مناسب کارروائی کرے گی تاکہ نہ صرف اُتر پردیش میں بلکہ دوسری ریاستوں میں اُردو دوستوں کے حقوق کو پامال نہ کیا جا سکے، گپتا جی کو بہر حال اپنی رائے پر دوبارہ غور کرنا چاہیئے۔

انجمن ترقی اُردو لکھنؤ

انجمن ترقی اُردو لکھنؤ نے طلبہ کے سرپرستوں کی آسانی کے لئے مادری زبان کا اعلان نامہ شائع کیا ہے۔ جس کی رو سے ہر سرپرست بیسک اسکولوں میں اپنے بچے کی مادری زبان "اُردو" تحریر کرائے گا۔ سرپرستوں کو چاہئے کہ درخواست دینے کے بعد ہیڈ ماسٹر سے رسید حاصل کرلیں۔ یہ رسید بھی اسی فارم میں شامل ہے۔ یہ فارم حسب ذیل مقامات سے حاصل کئے جاسکتے ہیں۔

۱۔ دفتر انجمن ترقی اُردو، جلیۂ تہذیب لائبریری گولا گنج لکھنؤ
۲۔ جعفر مرزا دی پبلک کمرشل کالج۔ بلو چبوترہ
۳۔ ڈاکٹر شیو پرتاپ گشل کا ریور ہیڈ۔ وزیر گنج
۴۔ امتیاز رسول قصر درخشاں۔ نشاط گنج
۵۔ ضمیر برادرس ڈیوڑھی آغا میر۔ چاندی خانہ
۶۔ ڈاکٹر شجاعت علی سندیلوی ۱۵۴/۲۔ قصائی باڑہ
۷۔ محمد حسین خاں عرشی۔ زنبور خانہ موتی لال بوس روڈ
۸۔ ادارہ فروغ اردو۔ لکھنؤ
۹۔ دانش محل امین الدولہ پارک
۱۰۔ امین سلونوی انڈیپنڈنٹ نیوز سروس
۱۱۔ سید فدا حسین شاہ گنج لکھنؤ

ان مقامات کے علاوہ دوسری جگہوں کاکوری اور ملیح آباد وغیرہ میں بھی فارم بھیج دئے گئے ہیں۔ سرپرستوں کو اگر اپنی مادری زبان سے محبت ہے تو وہ فوراً توجہ دیں اور ہر اسکول میں اُردو میں تعلیم رائج کرانے کی کوشش کریں۔

بیسک اسکولوں کے لئے اُردو کتابیں جلد فراہم کی جائیں

انجمن ترقی اُردو (لکھنؤ) نے بیسک کتابوں کی کم یابی کے سلسلے میں اسپشل افسر ٹکسٹ بک کمیٹی یو پی (لکھنؤ) کو حسب ذیل خط لکھا ہے:

بیسک اسکولوں کے لئے اُردو کتابوں کے سلسلے میں چند معروضات ہیں۔ توقع ہے کہ آں جناب ان پر فوری طور پر توجہ فرماکر اُردو کے طلبہ کی دشواریوں کو دور فرمائیں گے۔

(۱) ہر سال بیسک کی اُردو کتابیں کافی تاخیر سے آتی ہیں اس سال بھی ابھی تک بعض درجات کی کتابیں (ریڈر، حساب، کرشی، گرہ اُدگیان وغیرہ) بازار میں نہیں ہیں۔

(۲) سب سے زیادہ شکایت بیسک ریڈر درجہ اول کے متعلق ہے یہ کتاب گذشتہ سال آخر سنہ ۶۱ء سے ہی ختم ہو گئی تھی لیکن افسوس ہے کہ اس کو دوبارہ شائع نہیں کیا گیا اور نہ اس سال ابھی تک اس کا کہیں پتہ ہے۔

(۳) اُردو کتابیں ہر سال مسلسل تاخیر میں آنے کی وجہ سے محکمہ کی سخت بدنامی ہوتی ہے اور سرپرستوں کو یہ یقین سا ہو گیا ہے کہ اُردو تعلیم کو خود ذمہ داران پسند نہیں کرتے اگر ایسا نہیں ہے تو میں آپ سے مودبانہ درخواست کروں گا کہ: (۱) تاخیر میں شائع کرنے والے پبلشرس کے خلاف مؤثر کارروائی کی جائے۔ (۲) ایسے پبلشر کو ہرگز کتابیں چھاپنے کی اجازت نہ دی جائے جو ہر سال عمداً اُردو کتابیں دیر میں شائع کرتا ہے خصوصاً پہلی کتاب کا پبلشر اُردو دشمن معلوم ہوتا ہے۔ (۳) ذمہ داران تعلیم کو ہدایت کی جائے کہ کتابیں نہ ہونے کی وجہ سے اُردو طلبہ اور ان کے سرپرستوں کو پریشان یا خوف زدہ نہ کیا جائے بلکہ ان کی طرف سے یہ اعلان کیا جائے کہ فلاں وقت تک اُردو کتابیں بازار میں آجائیں گی۔

امید ہے کہ آپ محروم نہ فرمائیں گے۔ (شجاعت علی سندیلوی)

انجمن ترقی اُردو مشرقی پنجاب

۴ر جولائی کو اوم پرکاش ملک سکریٹری انجمن ترقی اُردو مشرقی پنجاب نے چندی گڑھ میں ڈاکٹر ٹی گوپالا ریڈی وزیر اطلاعات و نشریات سے ملاقات کی۔ انھوں نے وزیر موصوف کو اس امر کی طرف متوجہ کیا کہ آل انڈیا ریڈیو کا جالندھر اسٹیشن میں اُردو کے ساتھ سوتیلی ماں کا سلوک کیا جارہا ہے اور درخواست کی کہ جالندھر ریڈیو اسٹیشن کے پروگراموں میں اُردو کو وہ جگہ ملنی چاہئے جس کی وہ مستحق ہے۔

ملک صاحب نے اس پہلو پر زور دیا کہ پنجاب کے انتظامی، سیاسی سماجی اور تعلیمی ارتقاء میں اُردو کا اہم حصہ رہا ہے جس کو آسانی سے نظرانداز نہیں کیا جاسکتا۔ آپ نے مطالبہ کیا کہ جالندھر ریڈیو اسٹیشن سے اُردو کے پروگرام نشر کئے جائیں اور دن میں کم از کم ایک بار خبریں بھی اُردو میں نشر کی جائیں۔

ڈاکٹر گوپالا ریڈی نے ملک صاحب کی باتیں توجہ سے سنیں اور وعدہ کیا کہ آل انڈیا ریڈیو جالندھر کے پروگراموں میں اُردو کو اس کا جائز مقام دلانے کی وہ ہر ممکن کوشش کریں گے۔

انجمن ترقی اُردو ٹونک

ٹونک میں انجمن ترقی اُردو کے کام کو آگے بڑھانے کے لئے صدر انجمن حبیب الرحمٰن خاں صاحب ایڈوکیٹ کی دعوت پر ایک خصوصی جلسہ ۲ر جولائی کو عمائدین شہر و ممبران انجمن پر مشتمل زیر صدارت شیخ محمد یوسف صاحب صدیقی منعقد ہوا۔ جلسہ کا آغاز مولانا سید قاضی الاسلام صاحب کی تقریر سے ہوا۔ آپ نے جلسہ کی غرض و غایت پر مختصر طور پر روشنی ڈالتے ہوئے انجمن کی کارگذاریوں کا ذکر کیا، اور جدید ممبر سازی اور انجمن کی تشکیل نو کی جانب حاضرین کو توجہ دلائی۔ حاضرین کی جانب سے مختلف تجویزیں پیش ہوئیں۔ اس سلسلے میں متفقہ طور پر جو تجویزیں منظور ہوئیں ان کا خلاصہ یہ تھا کہ انجمن کی جدید ممبر سازی وسیع پیمانے پر کی جائے اور یہ کام ۳ر جولائی سے ۲ر اگست تک ختم کرلیا جائے، اس کے بعد جدید انتخابات عمل میں آئیں۔

ضروری اعلان

براہ مہربانی خط و کتابت کرتے وقت خریداری نمبر کا حوالہ ضرور دیجئے۔ منیجر

شہاب سرمدی

جھانکیاں

(ساون)

(۱)

آئی چھائی رُت ساون کی
پھوٹ پڑی ہریالی
لہرے جمنا پیری پہنے
ڈوبت ریت کی لالی

سیکڑہ پاکے،
کیسر چھلکے،
ٹپکت جامن کالی
ندیا دھامن سی پھنکارے
چھلکت نالی نالی۔

گھاٹ دھرے لاج کی چھوری
بوجھیں ناؤ چلائے،
بانس پانی لاگ نہ لاگے
ٹھاڑی لانگ چڑھائے
جھابجھر نیا ڈگمگ ڈولے
ہاتھ جھکولے کھائے۔
دھر پتواری دھار کاٹے
کھیوا پار لگائے
آپن سُدھ بسرائے
دیوی ہنس مسکائے۔

(۲)

گھٹت گھٹت کی لیسا نیاری
برست بوندی ٹوٹی،
جھانکا اُجلی چاند ڈبچ کا
دکھی بجھ کی مہندی۔
بھر بھر رنگ اُشا نے کھیلی
پورب دیس میں ہولی۔
بانٹ ہوا ناچت گھم چھیاں
جاگیں گاؤں کی گلیاں
تھرکت پگیا، سرکت انجرا
جن اُپکاری
گمس برسے نرناری۔

ہل کا پھل بلرام نہاریں
سیتا کھیت کی گودی
بیل چلیں کاندھا شکاوت
باجت گھونگرو گھنٹی
"ہتھ بتھ" ہروا ہے للکاریں

پھول سی پکسے دھرتی ...
اک چرواہا،
بھل من سوچی
پڑھے سُروں میں چھیڑے بنسی
کتھا کرے نندہ بن کی

عادلؔ منصوری

ایک نظم

پھر کوئی یادوں کا جھونکا
دل کے ویرانے سے گذرا
پھر زخموں کے گل کھل اُٹھے
پھر خوشبو کے جھرنے پھوٹے
پھر قدموں کی آہٹ پاکر
غم نے اپنی آنکھیں کھولیں
پھر دریا میں طوفاں اُٹھے
پھر آنکھوں سے موتی چھلکے

غزل

بیگم ممتاز مرزا

ہم نے کیا کیا کہ جفا اور بڑھ گئی
جُرمِ وفا کے بعد سزا اور بڑھ گئی

ڈرس گلوں کی چھیڑ سے شرمائیے تھے وہ
دیکھا مجھے تو ان کی حیا اور بڑھ گئی

وہ برقِ جاں فروز کہ آشیاں کے پاس
ٹھہری بس اک ذرا کہ ذرا اور بڑھ گئی

"گلہائے رنگ رنگ ہیں ان کو نہیں ثبات"
چپکے سے ہم نے کہا اور بڑھ گئی

ممتاز یوں تو بزم میں لاکھوں چراغ تھے
آنے سے تیرے کچھ تو ضیا اور بڑھ گئی

عاقلؔ لاہوری

یہ اور بات ہے غمِ دنیا کا ہوں شکار
یہ تو نہیں کہ تم سے محبت نہیں رہی

جلوے حیات تو کے نگاہوں میں بس گئے
پہلی سی وہ مری [illegible] نہیں رہی

مصروف یوں ہے کاروگ زندگی میں دل
کہ تجھ کو یاد کرنے کی فرصت نہیں رہی

دل نے سمجھ لئے ہیں زمانے کے رنگ ڈھنگ
اب میری جان کی شکایت نہیں رہی

انتخاب الانتخاب

بشیر بدر

دل کی بستی بھی شہر دلی ہے
جو بھی گذرا ہے اُس نے لوٹا ہے

تم مری زندگی ہو یہ سچ ہے
زندگی کا مگر بھروسہ کیا

دل کی خاموشی پہ نہ جاؤ
راکھ کے نیچے آگ دبی ہے

گفتگو اُن سے روز ہوتی ہے
مدتوں سامنا نہیں ہوتا

رات یوں غم نے پھر دل میں آواز دی
جیسے صحرا کی مسجد میں شب کی اذاں

عطا محمد شعلہ

ریاضؔ خیرآبادی

(گذشتہ سے پیوستہ)

James Risley نے کہا ہے کہ ادیب کو غیر ادبی پیشہ اختیار کرنا چاہیے۔ ریاضؔ نے بھی کچھ دنوں تک ایک انگریز ایس۔ پی کی پیش کاری کی اور بمقام گورکھپور و علی گڑھ اپنے فرائض منصبی ادا کئے لیکن چونکہ طبیعت کو مناسبت نہ تھی اس لئے اپنی عمر اس پیشے میں نہ گذار سکے۔

ریاضؔ اپنے وقت کے ایک بڑے اچھے صحافی بھی تھے۔ ۱۸۷۲ء میں لمع رخشاں کے تاریخی نام سے خیرآباد میں ایک مطبع قائم کیا اور ریاض الاخبار جاری کیا جو کافی مقبول ہوا۔ ان کی نثر میں بھی ایک شاعرانہ انداز ملتا تھا۔ خیرآباد ہی سے پھر ایک پرچہ روزانہ تار برقی نکالا۔ ۱۸۸۱ء میں ایک ماہنامہ گلگشت ریاض جاری کیا جس میں وقت کے مشاہیر اور والیان ریاست کی غزلیں طرح پر شائع کی جاتی تھیں۔ ۱۸۸۳ء میں فتنہ اور عطر فتنہ گورکھپور سے جاری کیا جو مذاق وقت کے لحاظ سے بہت مقبول ہوا۔

ریاضؔ اس قدر آزاد منش اور بے باک واقع ہوئے تھے کہ ریاض الاخبار میں پولیس کے خلاف مضامین چھاپتے رہے۔ یہاں تک کہ ایک مرتبہ اُن پر حملہ بھی ہوا اور اس میں وہ مجروح بھی ہوئے۔ انھوں نے ایک لمیٹڈ کمپنی قائم کی اور اس کمپنی کا روزانہ اخبار صلح نکالا جس کے نائب مدیر جالبؔ دہلوی تھے۔ جو اپنے وقت کے مشہور صحافی ہوئے۔ اُن کی ذہانت اور طباعی کا ایک ادبی کرشمہ یہ تھا کہ ۱۸۹۰ء اور ۱۸۹۱ء میں باوجود انگریزی سے نابلد ہونے کے Reynolds کے دو ناولوں کا ترجمہ حرم سرا اور نظارہ کے نام سے کیا۔ اپنے ایک انگریزی داں دوست کی مدد سے وہ ان ناولوں کا ترجمہ سنتے جاتے تھے اور بلا تکلف اس کو اپنی انشا میں ڈھالتے جاتے تھے نظارہ کی ایک خوبی یہ تھی کہ پورے ناول میں ایک لفظ بھی اضافت کے ساتھ نہیں آیا۔ ۱۹۰۰ء میں سیتاپور سے اپنے استاد امیرؔ مینائی کی یاد میں امیر المطابع پریس قائم کیا اور ناول حرم سرا کا دوسرا ایڈیشن شائع کیا۔ یہیں سے اپنے ماموں زاد بھائی جناب سید محمد عسکری صاحب وسیمؔ کے اہتمام سے آپ نے دامن گلچیں کی یاد میں گلچیں کا اجرا کیا۔

ریاضؔ کی اہمیت کا اندازہ اسی سے ہوتا ہے کہ اُن کو نظامِ حیدرآباد و مہاراجہ سرکشن پرشاد شادؔ نے بھی طلب کیا، اور نواب کلب علی خاں والی رام پور نے بھی! رام پور کے اس دربار میں جہاں منیرؔ، عروجؔ، بحرؔ، آغا حجو حیدری، قلقؔ، امیرؔ، داغؔ اور جلالؔ جیسے کاملین فن جمع تھے۔ ریاضؔ کی ضرورت محسوس کی گئی لیکن وہ اتنے قانع، وضعدار اور سیر چشم تھے کہ ایک دفعہ جب مہاراجہ محمود آباد کی سرپرستی میں آ گئے تو عمر بھر کسی دوسرے رئیس کی طرف ملازمت کی غرض سے کبھی رُخ ہی نہ کیا اور مہاراجہ ہی کے اصرار پر ۱۹۰۸ء میں وہ مع ریاض الاخبار کے لکھنؤ منتقل ہو گئے۔

وہی ریاضؔ جو گورکھپور کے عاشق تھے اور جنھوں نے اپنے اشعار میں گورکھپور کو زندۂ جاوید بنا دیا ہے لکھنؤ یہ کہتے ہوئے آئے کہ ؎

ریاضؔ تھی جو مقدر میں یادِ گشتِ شباب
جوان ہونے کو پیری میں لکھنؤ آئے

گورکھپور سے اُن کو دلچسپی اس درجہ تھی کہ اس کا اندازہ اُن کے کلام کا مطالعہ کرنے پر ہی ہو سکتا ہے۔ ایک جگہ کس حسرت سے کہتے ہیں ؎

ہم اپنے خونِ تمنا سے سینچ آئے ہیں
حسین ہنگ کے لگا میں حنائے گورکھپور

۲۸ جولائی ۱۹۳۴ء کو جوانی کا یہ نغمہ خواں اس جہانِ ناپائیدار سے سفر آخرت پر روانہ ہو گیا اور خیرآباد میں سپرد خاک ہوا۔ سید عقیل احمد جعفری نے ریاضؔ کی شوخیوں کے ذیل میں ایک لطیفہ نقل کیا ہے جس کو سننے سے اندازہ ہوتا ہے کہ ریاضؔ کی طبیعت کس قدر باغ و بہار تھی اور کتنی شوخ و شنگ۔ لیجئے میں آپ کو سناتا ہوں:۔

جوانی ٹولہ کے خواجہ فریدالدین عرف فدن صاحب حضرت ریاضؔ کے بچپن کے دوست تھے۔ دس پندرہ برس کے بعد ریاضؔ لکھنؤ آئے تو اُن سے ملنے گئے۔ اتنی مدت کے بعد صورت میں فرق ہو جاتا ہے کچھ اس وجہ سے اور کچھ اس وجہ سے کہ اپنے کام میں مصروف تھے دیکھنے پر ان کو پہچانا نہیں فوراً ریاضؔ کو شرارت سوجھی۔ دو بارہ سلام کر کے دور ایک گوشے پر بیٹھ گئے۔ مغرب کا وقت تھا کام زیادہ تھا اس لئے خواجہ صاحب پریشان تھے، ان کی طرف مخاطب نہ ہو سکے۔ اتنا وقت جو حضرت ریاضؔ کو ملا تو پوری اسکیم تیار کر لی۔ اب جو فدن صاحب مخاطب ہوئے اور پوچھا کہ آپ کہاں سے تشریف لائے ہیں تو ریاضؔ نے کہا حضور میں شیخ اصغر علی کے کارخانے سے آیا ہوں آپ کے یہاں کچھ عطر اور تیل آیا تھا اس کے پورے پیسے ادا آنے باقی ہیں۔ خواجہ صاحب حساب کتاب اور لین دین کے صاف آدمی تھے اس لئے سُن کر برہم ہو گئے۔ ریاضؔ اُن کی اس عادت کو اچھی طرح جانتے تھے۔ فدن صاحب نے کہا کیسا روپیہ ہم نے آج تک کسی جگہ سے کوئی چیز قرض نہیں منگائی ہے حضرت ریاضؔ نے جواب دیا میں کیا جانوں شیخ صاحب جھوٹ کہتے ہوں گے۔ شیخ اصغر علی صاحب بھی فدن صاحب کے گہرے دوست تھے ان کی شان میں یہ کلمہ نہ سُن سکے۔ پوچھا یہ تو بتائیے آپ ہیں کون۔ حضرت ریاضؔ نے کہا ایک خدمت تو عرض کر چکا ہوں کہئے تو کعبہ کی طرف ہاتھ اُٹھا کر کہوں، قرآن پاک پر ہاتھ رکھ کر کہوں۔ یہ جواب سن کر خواجہ صاحب آگ ہو گئے کہا تم بڑے گستاخ آدمی معلوم ہوتے ہو۔ حضرت ریاضؔ نے جواب دیا کیا ہے چیز لے کے روپیہ نہ دیں اور جب تقاضہ کرنے آدمی آئے تو گستاخ بنائیں۔ یہ تو قدیمی جھگڑا

رہی تھی کہ بادی علی خاں آگئے یہ بھی ان دونوں کے بچپن کے دوست تھے۔ حضرت ریاض کے دو ہی چار روز آگے پیچھے ان کا بھی انتقال ہوا ہے انھوں نے ریاض کو پہچان لیا اور بولے اُٹھیے اوے مقدن تو نے نہیں پہچانا اب جو خواجہ صاحب نے غور سے دیکھا تو وہ ذرا لپٹ گئے۔

غرض کہ کہاں تک بتایا جائے۔ ریاض اپنے وقت کے نہایت شگفتہ نگار شاعر اور پائے کے صحافی تھے۔ طبیعت کے لحاظ سے گلدستہ رہے اور باغ و بہار خود ہی کہا ہے۔ ع

خوش ہو کے ریاض سے بھی ملنا کیا باغ و بہار آدمی ہے

جب کبھی زمانے کا میلان اور مذاق بدلتا ہے (جس کا بدلنا لازمی ہے) تو بالکل اسی طرح کی باڑھ آتی ہے کہ جو اپنی رو میں جہاں خس و خاشاک کو بہائے جاتی ہے وہیں کچھ بیش قیمت موتی بھی جو کبھی خود دریا ہی نے اپنے ساحل پر جمع کئے تھے اس باڑھ کے ساتھ بہ جاتے ہیں اور جب کبھی سیلاب کی یہ صورت ختم ہوتی ہے اور یہ دریا سیلابی علاقے میں اپنی پانت چھوڑتا ہے تو پتہ نہیں کتنے گہر پارے گارا یا اس پانت کے نیچے دب جاتے ہیں اور یہ معلوم ہوتا ہے کہ خوش وضع موتی کبھی موجود تھے ہی نہیں۔ ریاض کی شاعری اور ان کی شخصیت بھی آج اسی خطرے سے دوچار ہے۔ بالکل اسی طرح جس طرح ہم اپنے ڈرائنگ روم میں زیبائشی تصویروں کی گرد جھاڑتے رہتے ہیں تاکہ تصویر اور اس کے فریم کا حسن ضائع نہ ہو اسی طرح کبھی کبھی ہم کو اپنے ادبی ذخیرے کو بھی ٹٹولنا اور الٹتے پلٹتے رہنا چاہیے۔ نقاد کا فرض ہے کہ وہ اس کام کو انجام دیتا رہے تاکہ مرور ایام کی گرد ہماری آنکھوں سے ان تصویروں کو اوجھل نہ کر دے۔ ریاض کی شاعری کا کوئی بلند مقام نہ سہی لیکن اس میں جوانی کی ایک بے پایاں اُمنگ ہے اور وہ یقیناً ان لوگوں میں سے ہیں کہ جو ہماری اُردو شاعری کے آئینہ خانہ میں اس کی جاذبیت اور حُسن بڑھانے کے لئے ایک ضروری نقش کی حیثیت رکھتے ہیں۔ وہی اُردو شاعری جو میر سے فانی تک اور فانی سے آج تک سوز و گداز غم کا ایک گہرا اثر و احساس لئے ہوئے ہے اسی کے دامن میں شاہ حاتم اور سودا، ذوق و مصحفی، جرأت اور امیر داغ اور ریاض بھی نظر آتے ہیں اور جو اس احساس کو زندہ رکھتے ہیں کہ اُردو شاعری میں غم ہائے دنیا کے نغمے بھی چھیڑے گئے ہیں، خیال اور ماورائی نغمات ہی نہیں بلکہ جیتی جاگتی زندگی کے پُر امید پہلو پر بھی کچھ دلنغمے ملتے ہیں۔ ریاض اس لحاظ سے بھی انوکھے ہیں کہ جوانی کا جو اُبھار اور لڑکپن سے جوانی میں قدم رکھتے وقت کا الھڑپن اور بے ساختگی، حاضر جوابی اور ناٹر توڑ فقرے کہنے کی خوبی اگر ہمیں کہیں نظر آتی ہے تو اس کا سبب سے بانکا نمائندہ ریاض ہی ہے۔ ان کا دیوان بھی "ریاض رضواں" کے نام سے ہمارے سامنے ہے جو ۲۷۴ صفحات پر محیط ہے۔ کاش یہ کچھ مختصر ہوتا۔ میرے میں تو اتنی جان تھی کہ وہ رطب و یابس کے باوجود آج تک زندہ ہیں۔ ریاض کی شاعری میں بلا شبہ یہ توانائی نہیں ہے اور اسی لئے ایک بہت سخت ضرورت ان کے ایک عمدہ انتخاب کی ہے۔ آئیے چلتے چلتے ان کے کچھ اشعار آپ کو سنا دوں اور پھر آپ خود فیصلہ کیجئے کہ جو شخص ایسے اشعار کہہ سکتا ہے وہ میر، اقبال یا غالب نہ سہی مگر بھلائی جانے والی چیز تو ہے ہی نہیں۔

لاکھ پردوں میں کوئی لے نگہ شوق ہے
دیکھ لے گا جو کوئی دیکھنے والا ہوگا

بہت ہی روئے گلے مل کے ایک ایک سے ہم
فنا ہوا جو کوئی ہم نے کارواں دیکھا

ہنگام نزع گریہ بڑی بیکسی کا تھا
تم ہنس پڑے یہ کوہ سا موقع ہنسی کا تھا

جانے کیوں ہیں کچھ آواز سی آجاتی ہے
چپکے چپکے کوئی کہتا ہے فسانہ دل کا

ہم تھک کے گر گر کے اُٹھے اُٹھ کے چلے ہیں
کچھ بھی اثر اے دوری منزل نہیں ہوتا

دن میں جو پیتے خلد کے شب میں ہے کوثر کے ثواب

ہم حرم میں آ کے بت خانے ویراں دیکھ کر

ریاض کا اس کے پوچھا کیا ہے
جس کا سایہ بھی دے گلاب کا رنگ

وصل میں پوچھتے بیٹھے ہو تم افسانہ ہجر
میں دو عالم کی کہے اپنے لگاوں تو کہوں

بڑے صاف طینت بڑے پاک باطن
ریاض آپ کو کچھ ہمیں جانتے ہیں

ایک واعظ ہے کہ جس کی دعوتوں کی دھوم ہے
ایک ہم ہیں جن کے گھر کل سے ادھار آنے کو ہے

صد سالہ دور چرخ تھا ساغر کا ایک دور
نکلے جو میکدہ سے تو دنیا بدل گئی

روشن کئے چراغ لحد لالہ زار نے
اس مرتبہ تو آگ لگا دی بہار نے

اب آپ ہی سچ سچ بتایئے کہ ریاض کی شاعری سننے کے بعد کیا ایسا گمان نہیں ہوتا کہ ریاض کی شاعری نے بھی ہمارے چمنستان شعر و سخن میں ایک ایسی ہی آگ لگا دی ہے؟

نوٹ۔ ریاض کے دو اچھے انتخاب شائع ہو چکے ہیں نگار کے ریاض نمبر میں ایک عمدہ انتخاب ہے۔ (ادارہ)

بقیہ

صفی اورنگ آبادی

گرچہ سو برس تا ہی نہیں یہ سنتے آئے تھے
وہ ایسے بھر کے آئے تھے بہت گرجے بہت برسے

صفی کی شاعری پر اپنے استاد کیفی کے تغزل کی بھی پرچھائیں پڑتی ہے۔ وہ کبھی کبھی کیفی کی طرح سنگلاخ زمینوں اور مشکل بحروں میں بھی شعر کہتے ہیں لیکن عام طور پر صفی کی غزلیں چھوٹی چھوٹی مترنم بحروں میں ہوتی ہیں۔ کیفی کے تغزل کی ایک اہم خصوصیت جس کا پرتو صفی کے اشعار میں نظر آتا ہے وہ ان کی درد مندی، خستگی اور گداختگی ہے صفی کا فن داغ کی شاعری کی طرح "چاندنی اور گلابی شراب" کا پروردہ نہ تھا۔ اُن کی زندگی میں قدم قدم پر آزمائشیں تھیں۔ داغ اقربا، بھوک اور غم جاناں کا مارا ہوا یہ شاعر پرانے شہر کی گلیوں میں بھٹکتا رہا یہاں تک کہ زندگی کی شام ہو گئی اور اس "خونابہ کش مدام" پر نہ زمانے کو رحم آیا نہ زندگی کو شرم آئی۔ مصحفی کی طرح بعض وقت انھوں نے اپنی غزلیں مشتاقوں کے حوالے کر دیں ؎

سر بہ مُہر منت نظر ہوں مری قیمت یہ ہے
کہ رہے چشم خریدار پہ احساں میرا

یہ بڑے ظرف اور حوصلے کی بات ہے کہ صفی کی شاعری میں ہر جگہ زندگی سے پیار اور اس کا احترام ملتا ہے۔ اور ان کی درد مندی میں پندار کا جذبہ سرایت کر گیا ہے۔ مصائب کی آگ میں پڑ کر ان کی شخصیت اور ان کے فن کے جوہر اور نکھر آئے تھے۔

صفی کی وہ غزلیں بڑی پُر سوز اور اثر انگیز ہیں جن میں سادہ، رواں اور بے ساختہ طرز میں وہ اپنے جذبات کی ترجمانی کرتے ہیں۔ ایسی غزلیں صفی کے مخصوص میلان طبع کا پتہ دیتی ہیں۔ ان میں صفی کی شخصیت کی مہک اور ان کی ذات کی جلوہ گری نظر آتی ہے۔ صفی نے غزل کی قدیم دھنوں کے سہارے اپنے تغزل کو اُبھارا تھا لیکن صفی کے اشعار میں ان کا اپنا دل دھڑکتا ہے۔ انھوں نے اساتذہ سے استفادہ کرنے کے باوجود اپنی انفرادیت کو ٹھیس نہ لگنے دی تھی۔ ایک غزل کے چند شعر ملاحظہ ہوں جو صفی کے منفرد رنگ کے ترجمان ہیں ؎

فرقت میں بھی سکون دل و جاں نہ ہو سکا
مرنا تو ہو سکا مگر آساں نہ ہو سکا
اُن سے بھی میرے درد کا درماں نہ ہو سکا
بندہ کسی کا بندۂ احساں نہ ہو سکا
آفت کشانِ عشق کے دل ٹوٹ جائیں گے
میرا اخیر وقت جو آساں نہ ہو سکا
میرے جنون ہی کا نتیجہ ہے اے صفی
شائع جو آج تک مرا دیواں نہ ہو سکا

صفی کے اشعار میں جو سلاست زبان و بیان کی جو چاشنی، لب و لہجے کی جو گمبھیر کیفیت، اثر اور گھلاوٹ ہے اس نے انھیں ہر طبقے میں مقبول بنا دیا تھا۔ ارباب علم و فن کی محفلوں سے لے کر ڈھول اور چکی کی دھنوں میں بھی ان کے اشعار جگہ پا چکے تھے۔ اپنی پر سوز کیفیت نرم آنچ، دھیمے سوز و ساز، احساس کی کسک اور بشریت کی وجہ سے صفی کی غزلیں ایک منفرد شان رکھتی ہیں ؎

تنہا ہوں گھر میں اور شب انتظار ہے
مجھ کو چراغ خانہ چراغ مزار ہے

کون سا آفت زدہ رہتا ہے کوچے میں ترے
شب کو اک آواز آتی ہے الٰہی کیا کروں

چراغ زندگی مدھم ہے لیکن چراغ آرزو مدھم نہیں ہے

وہ مجھ سے روٹھ جائے الٰہی خدا نہ ہو
بے آس ہو تو ہو کوئی بے آسرا نہ ہو

جب آ گئی بہار تری یاد آ گئی
ہر سال نو بہ تازہ یہ زخم کہن ہوا

اپنے اشعار کی اسی سوزناکی اور درد مندی کے متعلق صفی نے کہا تھا ؎

محروم بے نیازی احباب ہوں صفی
تاثیر کی کمی نہیں اشعار میں مرے

انجمن معراج ادب گورکھپور

انجمن معراج ادب گورکھپور کی ایک نشست مورخہ یکم جولائی ۱۹۶۲ء زیر صدارت جناب مولوی ضمیر احمد صاحب پرائمری اور سکنڈری اسکولوں میں اُردو کی تعلیم جاری کرانے کے لئے منعقد ہوئی جس میں حسب ذیل تجویزیں منظور ہوئیں :-

۱۔ انجمن معراج ادب گورکھپور کا یہ جلسہ ذمہ داران میونسپل بورڈ گورکھپور سے پُرزور مطالبہ کرتا ہے کہ وہ پرائمری اسکولوں میں حکومت کے حکم (جی۔او۔ نمبر اے۔ ۳۵۰ ب/ ۱۵ - ۱۰۱ - ۳۴۰ مورخہ ۲۰ر اکتوبر ۱۹۵۳ء) نیز ڈائرکٹر تعلیمات لکھنؤ کے تازہ سرکلر کے مطابق اُردو کی تعلیم کا انتظام کرائیں۔

۲۔ دوسری تجویز کے ذریعہ ذمہ داران میونسپل بورڈ گورکھپور سے یہ بھی مطالبہ کیا گیا کہ وہ اطلاعات، اعلانات اور نوٹس وغیرہ اُردو زبان میں بھی شائع کرائیں۔ نیز ہندی اور انگریزی اخبارات کے ساتھ ساتھ اُردو اخبارات کو بھی اشاعت کے لئے دیں کیونکہ یہاں پر اُردو داں طبقہ کی ایک کثیر تعداد آباد ہے۔

۳۔ انجمن معراج ادب گورکھپور کا یہ جلسہ صوبے کی تمام ادبی انجمنوں اور اداروں کی توجہ حکومت کے حکم اور ڈائرکٹر تعلیمات لکھنؤ کے تازہ سرکلر کی جانب مبذول کراتے ہوئے پُرزور اپیل کرتا ہے کہ وہ پرائمری اور سکنڈری اسکولوں میں داخلے کے وقت عملی اقدام کرکے سرپرستوں کو آمادہ کریں کہ وہ حکومت کے احکامات کے مطابق اپنے بچوں کی مادری زبان اُردو میں تعلیم کا انتظام کرائیں

۴۔ پرائمری اور سکنڈری اسکولوں میں اُردو کی تعلیم کے انتظام کرانے کے لئے ایک کمیٹی حسب ذیل حضرات کی بنائی گئی :-

۱۔ جناب سید سجاد علی صاحب سبزپوش صدر
۲۔ جناب مولوی ضمیر احمد صاحب۔ ۳۔ جناب حکیم ابوالکلام صاحب صدیقی۔ ۴۔ جناب محمد شریف صاحب۔ ۵۔ جناب ذے۔ اے خاں صاحب۔ ۶۔ جناب ایم۔ کوثر قادری صاحب راہی۔ ۷۔ جناب عبدالشکور صاحب۔ ۸۔ جناب مسعود یوسف زئی۔

ادبی مجلس (نئی دہلی)

۵ جولائی کو ادبی مجلس (نئی دہلی) کا جلسہ اندرجیت سنگھ شرما کی صدارت میں منعقد ہوا۔ موضوع بحث تھا۔ "وہ کیا رتن ناتھ سرشار ایک چوٹی کے فنکار تھے" ؟ بحث کی بنیاد پریم پال اشک کا مقالہ تھا جس میں انھوں نے کہا کہ فسانہ آزاد رتن ناتھ سرشار کا شاہکار تو ہے مگر پلاٹ کی حد تک ان کی دیگر افسانوی تصانیف میں زیادہ ہے۔
سرگرم تبادلہ خیال کے بعد یہ محسوس کیا گیا کہ سرشار ایک مخصوص دور اور ماحول کے نباض تھے۔ ان کے سامنے غدر کے بعد کا لکھنؤ تھا۔ ڈھلتے ہوئے اقتدار میں ظاہری شان و شوکت والے نوابوں اور رئیسوں کی زندگی تھی جس میں کر و فر اور عاشق مزاجی کی افراط تھی۔ سرشار نے اس زندگی کی نقاشی کی، اور اس میں کوئی شک نہیں کہ وہ اپنے دور اور ماحول کے بہترین عکاس تھے۔

حیدرآباد میں اُردو سوسائٹی کا قیام

حیدرآباد میں محلہ مراد نگر کے چند ادب دوست نوجوانوں نے اُردو سوسائٹی کے نام سے ایک ادبی انجمن قائم کی ہے جس کا پہلا جلسہ ۱۷ر جون ۱۹۶۲ء کو ہوا تھا۔
اُردو سوسائٹی کے پہلے جلسے میں حسب ذیل عہدہ دار باتفاق آراء منتخب ہوئے :-
صدر، محمد مختار الدین صاحب حافظ۔ نائب صدر، حسن یوسف زئی۔ معتمد، سید ناظر الدین صاحب ناظر۔ مشیر، یار جامی۔
قرارداد میں کہا گیا ہے کہ اُردو سوسائٹی کے منجملہ مقاصد میں بنیادی مقصد اردو ادب و زبان کی خدمت اور اس کی ترویج و ترقی ہے۔ علاوہ ازیں نئے لکھنے والوں کی صحیح رہنمائی اور ان کی ہمت افزائی بھی شامل ہے۔

ساہتیہ اکیڈمی کی مطبوعات

ساہتیہ اکیڈمی نے مختلف زبانوں میں جملہ ۲۰۹ کتابیں شائع کیں جن میں سے ۲۱- اُردو میں، سات انگریزی میں، تین سنسکرت میں اور باقی ۱۷۸ دوسری ہندوستانی زبانوں میں تھیں۔ سب سے زیادہ کتابیں یعنی ۴۰ ہندی میں شائع کی گئیں۔ اس کے بعد تامل کا نمبر آتا ہے۔

روہیلکھنڈ اخبار لائبریری

روہیلکھنڈ اخبار بریلی نے جو ۲۲ سال سے علم و ادب کی خدمت کر رہا ہے، ایک لائبریری قائم کی ہے۔ اخبار میں کتابوں اور رسائل کے ریویو شائع کرنے کا خصوصی کالم ہے۔ بعد ریویو جملہ کتابیں اور رسائل لائبریری میں رکھ دئے جاتے ہیں۔ ریویو کے لئے ہر کتاب اور رسالہ کی ۲ جلدیں آنا ضروری ہیں۔
(سکریٹری کنور ہرنرائن میموریل روہیلکھنڈ اخبار لائبریری اینڈ ریڈنگ روم۔ درزی چوک۔ بریلی)

مراسلات

گوہر انتخاب

اخبار "ہماری زبان" مورخہ یکم جون ۱۹۶۲ء میں ابو محمد صاحب سحر کا مضمون بعنوان "امیر مینائی کا ایک نادر قلمی دیوان۔ گوہر انتخاب" نظر نواز ہوا۔ منشی شاہ محمد ممتاز علی آہ نے گوہر انتخاب کے متعلق "سیرت امیر احمد امیر مینائی" مطبوعہ ادبی پریس لکھنؤ ۱۹۳۱ء کے صفحہ ۱۰۵ پر حسب ذیل واقفیت بہم پہنچائی ہے :۔

"لکھنؤ میں جو کچھ کہا تھا وہ بھی ایک پورا دیوان تھا مگر افسوس ہے کہ غدر کی مصیبت میں تلف ہو گیا۔ کچھ غزلیں مل سکیں اور جن غزلوں کے شعر زیادہ یاد آئے اور شعر کہہ کر پوری کیں وہ سب "مراۃ الغیب" میں چھپی ہیں جو ۱۲۹۰ھ میں طبع ہوا۔ باقی متفرق اشعار کا ایک مجموعہ ۱۲۸۵ھ میں مرتب کیا تھا جس کو آج نصف صدی سے زیادہ زمانہ ہوا۔ اس کا تاریخی نام "گوہر انتخاب" (۱۲۸۵ ہجری) ہے۔ اس مجموعۂ مفردات کے سال ترتیب کی تاریخ نواب صفدر علی خاں صفدر طاب ثراہ اور شیخ الٰہی بخش مرحوم متخلص بہ غریب مرحوم نے کہی تھی۔

از صفدر

تازہ ہوں دماغ اہل معانی کہ یہ کیونکر۔ جو شعر ہے وہ لخلخۂ زلف رسا ہے
اس نظم دلآویز کی ترتیب کی تاریخ۔ صفدر نے کہی عطر مضامین کا کھچا ہے

۸۵ ہجری ۱۲

از غریب

جوہری جانتے ہیں قدر جواہر کی غریب۔ کیا وہ سمجھے گا نظر جس کی کہ نقاد نہیں
اس کی ترتیب کی اتفاقی لکھو تاریخ۔ خاتم اس کے لئے گوہر سے یہ افراد نہیں"

۸۵ ہجری ۱۲

اس کے بعد لکھتے ہیں کہ :۔

"گوہر انتخاب" پہلی بار ۱۲۹۰ھ میں طبع ہو کر شائع ہو گیا تھا۔ سال طبع کی تاریخ داغ مرحوم نے بھی کہی تھی ؎

وقت ترتیب امیر نے جو کہا — گوہر انتخاب ہے تاریخ
داغ ہنگام طبع بول اٹھا — دلبر انتخاب ہے تاریخ

یہ مجموعہ مطبع رئیس المطابع اسی زمانے میں چھپ گیا تھا اور شاہ صاحب کے پاس موجود تھا۔ ازاں بعد صاحب سیرت رقمطراز ہیں کہ :۔

"اس سے جو اشعار بچ رہے تھے ان کا ایک دوسرا مجموعہ مرتب ہو کر "صنم خانۂ عشق" اور "گوہر انتخاب" کے ساتھ ۱۳۰۳ ہجری میں طبع ہوا۔ جس کا نام "جوہر انتخاب" ہے۔"

کتاب محولہ کے صفحہ ۱۹۲ پر شاہ صاحب نے "گوہر انتخاب" و "جوہر انتخاب" کا انتخاب بھی پیش کیا ہے جس میں اشعار پر مناسب ریمارک بھی دئے گئے ہیں۔ فہرست تصانیف امیر مینائی مندرجہ صفحہ ۱۲۹ میں بھی "مراۃ الغیب" اور "صنم خانۂ عشق" کے علاوہ "گوہر انتخاب" نیز "جوہر انتخاب" درج ہیں۔ دونوں کے سامنے لفظ "مطبوعہ" مرقوم ہے۔

رام بابو سکسینہ اور صاحب مکاتیب امیر مینائی نے گوہر انتخاب' اور جوہر انتخاب کو ۱۳۰۱ھ کی تالیف بتایا ہے جو سہو پر مبنی ہے۔ "صحیفۂ تاریخ اردو" میں محمود اکبرآبادی نے بھی غدر میں تلف شدہ پہلے دیوان کا نام جو غیر مطبوعہ رہا، "غیرت بہارستان" لکھا ہے۔ آہ مرحوم امیر مینائی کے عزیز شاگردوں میں تھے۔ اکثر موقعوں پر اپنے استاد کے شریک کار رہتے تھے۔ نیز امیر اللغات کی تدوین میں بھی یہ ان کے ساتھ تھے۔

(معراج دھولپوری)

مولانا احسن مارہروی کا منظوم خط

'ہماری زبان' (۸ جون ۶۲ء) میں دیویندر پرشاد سکسینہ بدایونی نے مولانا احسن مارہروی کا ایک منظوم خط بنام مولانا عبدالحق مرحوم شائع کرایا ہے۔ اپنی تمہیدی تحریر میں سکسینہ صاحب نے یہ دعویٰ کیا ہے کہ مولانا صاحب کا یہ منظوم خط غیر مطبوعہ ہے، حالانکہ آج سے بہت قبل اکتوبر ۱۹۶۱ء کے 'صبح نو' میں یہی مکتوب خیر بہوروی صاحب کے پیش لفظ کے ساتھ شائع ہو چکا ہے۔ پتہ نہیں سکسینہ صاحب نے 'ہماری زبان' کے مذکورہ شمارے میں اسے غیر مطبوعہ کیوں کر بتایا ہے، اگر انھوں نے اس نظم کو 'صبح نو' سے نقل کیا ہے تو غیر مطبوعہ لکھنا کیا معنی اور اگر براہ راست خیر صاحب سے حاصل کیا ہو' تو بھی اس کی اشاعت سے لاعلمی کیوں؟

ہماری زبان میں جو مکتوب شائع ہوا ہے اس کے پانچ مصرعے اس مکتوب سے مختلف ہیں جو 'صبح نو' میں شائع ہوا ہے۔ یہ تبدیلی یوں ہے کہ ع "مگر ہمارے لئے ہو گیا سفر یہ حرام" کی جگہ "مگر ہمارے لئے ہو گیا سفر یہ حرام"۔ "اٹھائیں آم کے آم اور پائیں دام کے دام" کی جگہ "اٹھائیں آم کے آم اور گٹھلیوں کے دام"۔ "رواں ہے خون تمنا مثال آب رواں" کی جگہ "بہائے خون تمنا مثال آب رواں"۔ "کھلے ہوئے ہیں پسینے سے چشمہائے مسام" کی جگہ "کھلے ہوئے ہیں پسینے سے مثل چشمۂ مسام" ہے اور "لئے ہوئے غم و اندوہ و حسرت و آلام" کی جگہ "لئے ہوئے غم تکلیف و حسرت و آلام" لکھا گیا ہے۔

(علیم اللہ حالی)

معاصر

حکومت مشرقی پنجاب کا شعبۂ لسانیات اور اُردو

پنجاب کے شعبہ لسانیات میں پنجابی اور ہندی کے لئے الگ الگ ڈائرکٹریٹ موجود ہیں۔ یہ ڈائرکٹریٹ ان دونوں زبانوں کی ترقی اور نشر و اشاعت کے لئے قابل قدر خدمات انجام دے رہے ہیں۔ پنجابی اور ہندی کے علاوہ اُردو کا بھی پنجاب میں بڑا چلن ہے۔ اس کے باوجود اردو کے لئے کوئی الگ ڈائرکٹریٹ موجود نہیں۔ البتہ گزشتہ چند سالوں سے ڈائرکٹر جنرل شعبہ لسانیات کے تحت اردو کے لئے بھی ایک ذیلی شعبہ قائم کیا گیا ہے۔ پچھلے سالوں میں اس شعبہ نے اُردو کا کچھ کام بھی کیا ہے۔ چند اردو مصنفوں کو ان کی بہترین کتابوں پر انعام دیئے گئے ہیں۔ بعض شاعروں کو ان کی ادبی خدمات کے سلسلہ میں پنشنیں عطا کی گئی ہیں۔ اور بعض دوسروں کو خلعت اور نقد انعام سے نوازا گیا ہے۔ جشن آزادی کے موقع پر اُردو مصنفین اور ادباء و شعراء کا ایک کنونشن بھی منعقد کیا گیا تھا۔ اور یہ اقدام فدایان اردو کے لئے حوصلہ افزا ضرور ہے۔ لیکن ظاہر ہے کہ بحیثیت مجموعی ان کی اہمیت زیادہ نہیں۔ اور یہ اقدام اُردو کی ترقی و بہبودی کے لئے دور رس نتائج کے حامل نہیں بن سکتے۔

آزادی سے پہلے پنجاب میں اردو کی حیثیت قابل رشک تھی۔ اور یہ پنجاب کی دفتری زبان ہونے کے علاوہ یہاں کی ایک بہت بڑی اکثریت کے لئے اظہار خیال کا ذریعہ بھی تھی۔ اردو زبان کے جتنے اخبار اور رسالے پنجاب سے شائع ہوتے رہے ہیں۔ اتنے اور کسی صوبے سے شائع نہیں ہوتے تھے۔ اردو کی ادبی تخلیقات کے سلسلہ میں بھی پنجاب کے ادیب و شاعر پیش پیش رہے ہیں۔ اور اردو کا یہ ذوق و شوق پنجاب میں آج بھی ان حالات میں موجود ہے۔

"عوامی سرکار" کا یہ فرض ہے کہ وہ اردو کی ترقی اور نشر و اشاعت کے لئے عملی طور پر ٹھوس اقدام کرے۔ اردو کے لئے شعبۂ لسانیات میں ایک الگ ڈائرکٹریٹ فوراً قائم ہونا چاہیے جو اُردو کی ترویج و ترقی کے لئے تجاویز وضع کرے اور ان پر عمل پیرا ہو۔ مختلف موضوعات پر اُردو کی کتابیں لکھوائی جائیں پنجابی اور ہندی سے اس میں ترجمے کرائے جائیں۔ اردو کے کلاسیکی ادب کو ہندی اور پنجابی میں منتقل کیا جائے۔ اور اسکولوں میں اردو تعلیم کا انتظام کیا جائے۔ یہ بھی چاہیے کہ پنجاب کے جو اخبار اور رسائل اردو کی خدمت میں مصروف ہیں ان کی حوصلہ افزائی کی جائے۔ پنجاب سے نکلنے والے اردو رسائل وغیرہ کے مالی ذرائع محدود بلکہ نہ ہونے کے برابر ہیں۔ فی الحقیقت سرکار کو ان مالکان جرائد کی سخت جانی کی داد دینی چاہیے۔ جو اردو کشی کے اس دور میں مشکلات اور رکاوٹوں کی پرواہ نہ کرتے ہوئے اردو کے جذبۂ خدمت سے سرشار ہیں اور مالی خسارے کے باوجود ادبی خدمت میں لگے ہوئے ہیں۔ سرکار کو چاہیے کہ ان مالکان جرائد کی نقد گرانٹ کی صورت میں امداد و اعانت کے ذریعے حوصلہ افزائی کرے۔ اردو رسائل صوبے کی تنگ نظری اور فرقہ پروری کی فضا میں رواداری اور محبت کی روشنی کو عام کرتے ہیں۔ ان کی خدمات نظر انداز نہیں ہونی چاہئیں۔ ضرورت ہے کہ انہیں سب اسکولوں میں خریدا جائے۔ ان کے خاص نمبروں کی سرپرستی کی جائے اور سرکاری اشتہارات سے بھی انہیں محروم نہ رکھا جائے۔ انعامی رقم کا ایک حصہ ان ادیبوں اور شاعروں کے لئے وقف ہونا چاہیے۔ جو پنجاب میں مقیم ہیں۔

غرض ہم یہ چاہتے ہیں کہ پنجاب کا شعبۂ لسانیات صحیح معنوں میں اردو کی طرف متوجہ ہو۔ اردو کتابوں پر انعاموں کی رقم بھی بڑھانی چاہیے۔ یہ انعامات صرف شاعروں تک محدود بھی نہیں رہنے چاہئیں۔ نثر کی کتابوں کو بھی اہمیت دینی چاہیے۔ پٹیالہ میں اب نئی پنجابی یونیورسٹی کھلنے والی ہے۔ ہمیں یقین ہے کہ وہ پنجاب میں اردو کے منصب کو نظر انداز نہ کرے گی اور اردو میں ایم اے تک کی تعلیم کے لئے سہولتیں فراہم کرے گی۔ افسوس ہے کہ پنجاب یونیورسٹی چندی گڑھ کو اردو سے پہلی سی محبت نہیں رہی۔ یہاں اردو میٹرک سے لے کر ایم۔ اے تک ہر امتحان میں ہے۔ ادیب اور ادیب فاضل کے امتحان بھی ہوتے ہیں۔ ہزاروں لوگ ان امتحانات میں شریک ہوتے ہیں۔ یہ اردو کی مقبولیت کا ادنیٰ ثبوت ہے۔ اس کے باوجود پنجاب یونیورسٹی کو اردو کا شعبہ کھولنے کی توفیق نہیں ہوئی۔ ہمیں معلوم ہوا ہے کہ یونیورسٹی گرانٹس کمیشن نے اس کی اجازت دے دی ہے اور اردو استادوں کے تقرر کے لئے اسکیم منظور کر دی ہے۔ اس کے باوجود اس یونیورسٹی کے ارباب اقتدار اسے التوا میں ڈالے ہوئے ہیں۔ اور کوئی نہ کوئی بہانہ ان کے آڑے آ ہی جاتا ہے۔ اگر پنجاب یونیورسٹی اُردو کا شعبہ قائم کر دے تو ہمیں یقین ہے کہ وہ اردو کی نہایت اہم خدمت کرے گا۔

(رشید قریشی، امرتسر)

تبصرے

(۱) میر تقی میر (۲) نظیر اکبر آبادی (۳) مومن خاں مومن

قیمت ۵۰ نئے پیسے فی کتاب

ملنے کا پتہ: راجہ رام کمار بک ڈپو، لکھنؤ۔

امیر حسن نورانی صاحب نے اردو شعراء کے تعارف کا ایک قابل قدر سلسلہ شروع کیا ہے جس کی وضاحت انھوں نے ان الفاظ میں کی ہے کہ "یہ سلسلہ اس لئے شروع کیا گیا ہے کہ جو اہل ذوق شعرائے اردو کا مطالعہ کرنا چاہیں ان کی رہنمائی ہو سکے، خصوصاً وہ لوگ جو اپنی گوناگوں مصروفیات کے باعث تاریخ ادب اور شعراء کے دواوین اور کلیات پڑھنے کے لئے وقت نہیں نکال سکتے اور یہ تو جانتے ہیں کہ میر، مومن، غالب اردو کے بڑے شاعر تھے۔ لیکن ان کی عظمت کے اسباب کیا تھے، ان کی شاعرانہ خوبیاں کیا ہیں؟ یہ نہیں جانتے۔ یہ سلسلہ ان طلباء و طالبات کے لئے بھی مفید ثابت ہوگا جن کے نصاب میں اردو کے بلند پایہ شاعروں کا "خصوصی مطالعہ" بھی شامل ہے۔" زیر تبصرہ تین رسالے میر، نظیر اور مومن کے حالات، زندگی اور انتخاب کلام پر مشتمل ہیں۔ یہ کام امیر حسن نورانی صاحب نے جس سلیقہ اور محنت سے انجام دیا ہے اس کی جتنی بھی داد دی جائے کم ہے۔ ہر رسالہ آٹھ آنے میں راجہ رام کمار بک ڈپو لکھنؤ سے حاصل کیا جا سکتا ہے۔

دکھ سکھ

چندر کانت جوشی

قیمت ایک روپیہ

ملنے کا پتہ: دیویندر کانت جوشی، بھرتا پیر سٹھا، جموں توی

کومل اور مدھر گیتوں کے اس انتخاب کو پڑھنے کا مشورہ ہر سخن فہم اور ادب دوست کو دیا جا سکتا ہے۔

ایورسٹ کی فتح

اظہر پرویز

قیمت سات آنے

ملنے کا پتہ: مکتبہ شاہراہ دہلی

اظہر پرویز بچوں کے مشہور و مقبول ادیب ہیں۔ ان کی کئی کتابیں حکومت ہند سے انعامات حاصل کر چکی ہیں۔ زیر تبصرہ کتاب ایورسٹ کی فتح بھی ان کی دوسری کتابوں کی طرح سہل اور آسان زبان میں ہے۔ بچوں کی تربیت اور ان کی معلومات میں اضافہ کرنے کا یہ طریقہ کہ کسی اخلاقی تعلیم یا اہم واقعہ کو کہانی کی صورت میں پیش کیا جائے، نہایت موثر اور کارآمد ہے اور اس کے لئے اظہر پرویز صاحب بہت موزوں ہیں۔

لالۂ صحرا

رئیس امروہوی

قیمت: درج نہیں ہے۔

ملنے کا پتہ: ادارہ ذہن جدید۔ کراچی۔

خوبصورت مثنوی ہے جس میں زبان و فن کی تمام اہم روایات کے احترام کے ساتھ ساتھ حسن و اثر کا خیال رکھا گیا ہے۔

سید محمد تقی صاحب نے اس کا دیباچہ (محراب) لکھا ہے جس میں اس مثنوی کی خوبیوں اور رئیس امروہوی کی شاعرانہ صلاحیتوں پر بڑے سلیقے اور تنقیدی بصیرت کے ساتھ روشنی ڈالی ہے۔

حرفِ خاموش

حمید ناگپوری

قیمت: ۳ روپے

ملنے کا پتہ: نیا کتاب گھر کامٹی

حمید ناگپوری کی غزلوں، نظموں، قطعات، رباعیات اور متفرق اشعار کا انتخاب ہے۔ جس کو غفور انیس ایم اے نے مرتب کیا ہے۔ پروفیسر آل احمد سرور کا اس انتخاب کے پیش لفظ میں یہ لکھنا کہ "میں وسط ہند کے اس شاعر سے اب تک واقف نہ تھا۔ کلام پڑھا تو حیرت بھی ہوئی اور افسوس بھی۔ حیرت کلام کی خوبی پر اور افسوس اپنی لاعلمی پر" شعر و ادب سے دلچسپی رکھنے والوں کو متوجہ کرنے کے لئے کافی ہے۔

شفق زار

پرکاش ناتھ پرویز

قیمت ۵۰ نئے پیسے

ملنے کا پتہ: ۲۰ ۹/۲ نابھہ ہاؤس شملہ

پرکاش ناتھ پرویز کے قطعات کا یہ انتخاب حیات و کائنات کے نام معنون ہے جس سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ پرویز صاحب کس درجہ "مفکر" شاعر ہیں۔ امید ہے کہ ادبی حلقوں میں یہ انتخاب بھی نریش کمار شاد اور عبدالحمید عدم کے قطعات کی طرح دلچسپی سے پڑھا جائے گا۔

جلال کے سو شعر

قیمت ۱۲۵ نئے پیسے

ملنے کا پتہ: نیو ٹاؤن، رام باڑی، شمالی ارکاٹ (مدراس)

سو شعر کا یہ انتخاب جلال لکھنوی کا ہے۔ اگر کوئی غزل کے مخصوص محدود علام و رموز سے واقفیت حاصل کرنا چاہتا ہو تو اس کو اس کا مطالعہ ضرور کرنا چاہیے۔

پبلشر زبیر حسن، پرنٹر ضمیر الدین خرم نے مسلم ایجوکیشنل پریس علی گڑھ میں چھپوا کر مرکزی انجمن سے شائع کیا۔